

فیض احمد فیض (غزل نمبر 2)

شعر نمبر 1:

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں، کب ہات میں تیرا ہات نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں
تشریح: فیض احمد فیض مشہور ترقی پسند شاعر تھے۔ غم دوراں اور غم جاناں پر مبنی فیض کے آفاقی اشعار زندگی کی تلخیوں کے عکاس بھی ہیں اور الجھنوں کے ترجمان بھی۔

زیر تشریح شعر میں فیض کہتے ہیں کہ محبوب سے دوری کا زمانہ ختم ہو گیا ہے۔ یہ مقام شکر ہے کہ ہمارے اور ہمارے محبوب کے درمیان جدائی کی ساعتیں ختم ہو گئی ہیں۔ اب ہمارا اور اس کا ساتھ صرف یادوں ہی میں نہیں بلکہ اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اسے اپنی نظروں کے سامنے موجود دیکھنا چاہتا ہے اور جوں جوں یہ وابستگی بڑھتی ہے، اسے دیکھتے رہنے کی آرزو بھی بڑھ جاتی ہے اور ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے کہ انسان کو پلکوں کا جھپکنا بھی دیکھنے کے عمل میں رکاوٹ محسوس ہوتا ہے۔

نظارے کو یہ جنبشِ مژگاں بھی بار ہے
زنگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی
فیض کے لیے وطن بھی اتنا ہی عزیز ہے جتنا کسی بھی انسان کو اپنا محبوب عزیز ہوتا ہے۔ وطن سے دوری ان کے لیے اتنی ہی تکلیف دہ ہے جتنی محبوب سے دوری تکلیف دہ ہوتی ہے۔ بعض سیاسی وجوہ کی بنا پر انھیں وطن سے دور رہنا پڑا۔

مرے دل مرے مسافر
ہوا پھر سے حکم صادر
کہ وطن بدر ہوں ہم تم
وطن سے دوری فیض کو مایوس نہیں ہونے دیتی۔ وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ دوری عارضی ہے۔ بہت جلد اسے ختم ہو جانا ہے کیوں کہ ظلم ہمیشہ مسندِ اقتدار پر قابض نہیں رہ سکتا۔ وہ لوگ جن کا رشتہ اپنی سرزمین سے گہرا اور اٹوٹ ہوتا ہے وہ گردشِ زمانہ کا علاج کرنا جانتے ہیں۔
جو تجھ سے عہدِ وفا استوار رکھتے ہیں
علاج گردشِ لیل و نہار رکھتے ہیں
فیض کے تشریح طلب شعر میں اس خواب کی تعبیر پیش کی جا رہی ہے کہ اب وطن سے دوری کے دن ختم ہو چکے ہیں۔

شعر نمبر 2:

مشکل ہیں اگر حالات وہاں دل بچ آئیں جاں دے آئیں
دل والو کوچہ جاناں میں کیا ایسے بھی حالات نہیں
تشریح: فیض احمد فیض مشہور ترقی پسند شاعر تھے۔ غم دوراں اور غم جاناں پر مبنی فیض کے آفاقی اشعار زندگی کی تلخیوں کے عکاس بھی ہیں اور الجھنوں کے ترجمان بھی۔

زیرِ تشریح شعر میں فیض کہتے ہیں کہ کیا محبوب کی گلی میں حالات اتنے سنگین ہو گئے ہیں کہ دل و جاں کی قربانی بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ محبوب کی گلی میں دل کا نذرانہ پیش کرنا یا جان ہار دینا محبت کی دلیل ہے۔ لیکن محبت کرنے والے کے لیے جب قربانی دینا بھی مشکل بنا دی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حالات انتہائی سنگین ہو گئے ہیں اب محبت کا اظہار کرنا بھی ممکن نہیں رہا۔ بعض اوقات وطن سے محبت ہی جرم بن جاتی ہے۔

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے

ہماری بد قسمتی کہ آزادی کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد عنانِ اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آگئی جنہوں نے ملک کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھ لیا اور عوام کو غلام سمجھنے لگے۔ لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ معاشرے سے عدل و انصاف ناپید ہو گیا، لاقانونیت بڑھنے لگی، زندگی مشکل سے مشکل تر ہونے لگی اور وہ لوگ جو آزادی کی بات کرتے، لوگوں میں مساوات کی ضرورت پر زور دیتے، بنیادی حقوق کا مطالبہ کرتے انہیں عداوت قرار دیا جانے لگا۔ وطن سے ان کی محبت محلِ نظر قرار پائی اور بقول حبیب جالب:

وہ کہہ رہے ہیں محبت نہیں وطن سے مجھے
سکھا رہے ہیں محبت مشینِ گن سے مجھے

فیض کا موقف یہ ہے کہ حالات جتنے بھی سنگین کیوں نہ ہو جائیں، کسی کو زندگی قربان کرنے سے تو نہیں روکا جاسکتا۔ پاک سرزمین پر دل و جاں قربان کرنے سے ہی شاید حالات بہتر ہو جائیں۔

شعر نمبر 3:

(یورڈ 2007)

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شانِ سلامت رہتی ہے

یہ جان تو آئی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

تشریح: فیض احمد فیض مشہور ترقی پسند شاعر تھے۔ غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی فیض کے آفاقی اشعار زندگی کی تلخیوں کے عکاس بھی ہیں اور الجھنوں کے ترجمان بھی۔

زیرِ تشریح شعر میں فیض کہتے ہیں کہ زندگی تو عارضی اور ناپائیدار ہے اس کی کوئی بات نہیں اصل چیز یہ ہے کہ انسان موت کا سامنا کس طرح کرتا ہے۔ یہ انداز باقی رہ جانے والا ہے۔ زندگی کی بے ثباتی طے شدہ ہے۔ مذہب ہمیں یہی بتاتا ہے کہ ہر شے فانی ہے اور ہر جاندار نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہمارا مشاہدہ بھی ہمیں یہی باور کراتا ہے کہ جو لوگ کل تھے وہ آج نہیں ہیں اور جو آج ہیں وہ کل نہیں ہوں گے۔

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مٹے کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے

فیض کا موقف ہے کہ اصل چیز یہ ہے کہ کوئی شخص موت کا سامنا کس طرح کرتا ہے۔ وہ اپنی کتاب ”میزان“ میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ کسی قوم کے اجتماعی مزاج کو سمجھنا ہو تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس قوم کے افراد موت کا سامنا کیسے کرتے ہیں۔ موت کا خوف انسان کو بزدل بنا دیتا ہے۔ اپنے موقف کے درست ہونے کا یقین نہ ہو تب بھی انسان جان دینے سے ہچکچاتا ہے۔ لیکن اپنے موقف کی صداقت انسان کو بہادر بنا دیتی ہے۔ وہ موت سے نہیں ڈرتا، بلکہ خود فیض ہی کے الفاظ میں:

مرنے چلے تو سطوتِ قاتل کا خوف کیا

اتنا تو ہو کہ باندھنے پائے نہ دست و پا

موت کی گھڑی انسان کی ساری زندگی، اس کی تمام سرگرمیوں، اس کے اعمال، اس کی گفتگو ہر چیز کا از سر نو تعین کرتی ہے۔ اس کے

دعوے اس کی کٹ منٹ، اس کے نظریات اور ان نظریات کے ساتھ اس کی وابستگی کا بھی اسی لمحے پتہ چلتا ہے۔ چناں چہ کسی فرد کا موت کا سامنا کرنے کا انداز ہی یاد رہنے والی چیز ہے۔

شہیدانِ وفا کے حوصلے تھے داد کے قابل
وہاں پر شکر کرتے تھے، جہاں پر صبر مشکل تھا

شعر نمبر: 4:

میدانِ وفا دربار نہیں، یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق تو کسی کا نام نہیں، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں
تشریح: فیض احمد فیض مشہور ترقی پسند شاعر تھے۔ غم دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی فیض کے آفاقی اشعار زندگی کی تلخیوں کے عکاس بھی ہیں اور
الجنوں کے ترجمان بھی۔

زیر تشریح شعر میں فیض کہتے ہیں کہ محبت نہ تو معاشی طبقات کو مانتی ہے اور نہ رنگ و نسل کو اہمیت دیتی ہے۔ محبت مقام و مرتبہ کو نہیں مانتی
یہ کسی بادشاہ کا دربار نہیں جہاں لوگوں کے آباؤ اجداد کی نسبت دیکھی جاتی ہے۔ عشق کسی ذات برادری کا نام نہیں اور نہ ہی عشق کرنے والا (عاشق)
کسی فرد کا نام ہے۔

عہد ملوکیت میں خاندانی شرافت، نجابت کی بڑی اہمیت رہی ہے۔ بادشاہ کے دربار میں ہر کس و نا کس کے لیے جگہ نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ وہی
لوگ وہاں جگہ پا سکتے تھے جو نسل در نسل بادشاہ کے وفادار رہے ہوں۔ جن کی خدمات اظہر من الشمس ہوں۔ لوگوں کی کوشش ہوتی تھی کہ کسی نہ کسی
طرح دربار میں ان کی رسائی ہو جائے کیوں کہ اختیار و اقتدار کا مرکز و محور بادشاہ کا دربار ہوا کرتا تھا۔ اور اقتدار حاصل کرنے کے لیے دربار تک پہنچنا
ضروری ہوتا۔ محبت نہ تو اقتدار و اختیار کو مانتی ہے، نہ ذات پات کو نہ رنگ و نسل کو، محبت تو ایسا جذبہ ہے جو برابری اور مساوات کا قائل ہے۔

قیس ہو کوہکن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

محبت تو تسلیم و رضا ہے، قربانی کا نام ہے، انسانیت کا اظہار ہے، افراد کو آپس میں مجتمع کرنے والی قوت ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے:
”قربابت کے لیے محبت کی جتنی ضرورت ہوتی ہے، محبت کے لیے قربابت کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی۔“

انسانوں کو جو چیزیں تقسیم کرتی ہیں، ان میں ذات پات کی تقسیم، رنگ و نسل کا فرق، معاشرتی اور معاشی اونچ نیچ شامل ہے۔ فیض کا
موقف یہ ہے کہ محبت ان باتوں کو نہیں مانتی محبت انسانیت پر یقین رکھتی ہے۔ محبت کرنے والوں کے لیے حکومت، منصب اقتدار اور اختیار بے معنی
چیزیں ہیں۔ ان کے لیے تو خلوص ہی سب سے بڑا اقتدار ہوتا ہے۔

دلوں کو دام میں لانا ہی شہر یاری ہے
خلوص سب سے بڑا اقتدار ہے ساقی

حسرت موہانی کا کہنا ہے۔

کوچہ یار میں ہیں سب یکساں
بادشاہ و گدا، امیر و فقیر

شعر نمبر 5:

گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیا
گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

تشریح: فیض احمد فیض مشہور ترقی پسند شاعر تھے۔ غم دوران اور غم جاناں پر مبنی فیض کے آفاقی اشعار زندگی کی تلخیوں کے عکاس بھی ہیں اور الجھنوں کے ترجمان بھی۔

زیر تشریح شعر میں فیض کہتے ہیں کہ محبت میں ہارنے کا تصور ہی موجود نہیں ہوتا۔ محبت کے کھیل میں جو جی چاہے داؤ لگا دو کیوں کہ اس میں جیت ہی جیت ہے۔ انسانی زندگی مختلف نوعیت کی سرگرمیوں سے عبارت ہے۔ کوئی بھی عمل ہو انسان ہر قدم اٹھانے سے پہلے اس کے مضمرات کے بارے میں سوچتا ہے۔ اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں کے بارے میں سوچتا ہے۔ نفع اور نقصان کا اندازہ لگاتا ہے اور وہی کام کرتا ہے، وہی راستہ اختیار کرتا ہے جس میں نفع ہو۔ کوئی انسان بھی گھائے کا سودا کرنے کو تیار نہیں ہوتا بلکہ نقصان کا امکان تو انسان سے عمل کی قوت چھین لیتا ہے۔

ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں، توڑ دیتا ہوں

کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے

فیض کا موقف یہ ہے کہ عشق میں نقصان کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ عشق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہو، اپنے جیسے انسانوں سے یا اپنی سر زمین سے، عشق اختیار کرنے والا بہر صورت کامیاب رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں ہمیں کہیں بھی موت کا خوف دکھائی نہیں دیتا بلکہ:

سرفروشی کے انداز بدلے گئے دعوتِ قتل پر مقتلِ شہر میں

ڈال کر کوئی گردن میں طوق آگیا لاڈ کر کوئی کاندھے پہ دار آگیا

زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے، ترقی کرنے کے لیے انسان کے ارادے کو مضبوط رکھنے کے لیے فیض کے خیال میں عشق ہی معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ یہی جذبہ ہے جو ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اسے کبھی صدقِ خلیلؒ قرار دیتے ہیں کبھی صبرِ حسینؐ کبھی دمِ جبرائیلؑ۔ فیض کے اس تشریح طلب شعر میں علامہ اقبالؒ کے تصورِ عشق کی توسیع نظر آتی ہے۔ علامہ اقبالؒ اس جذبہ کو اصلِ حیات قرار دیتے ہیں:

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ

عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

فیض کے موقف کے مطابق بھی عشق میں کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اس لیے کوئی بھی خطرہ مول لینے میں نہیں ہچکچانا چاہیے۔ عشق کی بازی میں انسان جیت کر بھی کامیاب ہوتا ہے اور ہار کر بھی۔

فراق کا کہنا ہے۔

بازی عشق کی پوچھ نہ بات

جیت کی جیت ہے، مات کی مات